9

خدا کی مدد پر بھروسہ کرو
اپنے مناقشات کو چھوڑدو

(فرمودہ ۲۳ ؍مارچ ۱۹۲۳ء)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا۔

پہلے تو میں اس امر کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ وہ رَو جو تحریک چندہ مسجد برلن کے متعلق عورتوں میں پیدا ہوئی تھی یعنی عورتیں بیعت کرکے سلسلہ میں داخل ہونے لگی تھیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اب تک جاری ہے۔ اب تک قریباً چالیس عورتیں بیعت کر چکی ہیں۔ ابھی ایک مہینہ اور اس چندہ کا باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ اس تعداد میں ترقی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے سلوک کا جو ہم سے ہے۔ اور اوروں سے ہے۔ اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک دوست نے بتایا کہ جب مولوی صاحبان اپنے خیال میں قادیان پر دھاوا کرکے آنے کو تھے تو امرتسر میں ان لوگوں نے جلسہ کیا۔ اور پھر مولوی صاحبان گھروں پر چندہ مانگنے گئے۔ جب بعض جگہ چندہ دینے سے انکار ہوا تو ان مولویوں نے کہا کہ تمہاری غیرت کو کیا ہوا۔ تمہارے پاس تمہارے مولوی چندہ لینے آتے ہیں اور تم انکار کرتے ہو۔ اور احمدیوں کی عورتیں آتی ہیں پھر تمہاری عورتیں ان کے پاس چندہ لیکر جاتی ہیں اور وہ نہیں لیتیں کہ تم احمدی نہیں وہ کہتی ہیں کہ تم چندہ لے لو۔ ہم احمدی بھی ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تم کس چیز کے لئے چندہ مانگتے ہو۔ وہ کس چیز کے لئے؟ وہ اشاعت اسلام کے لئے چندہ مانگتے ہیں اور تم فتنہ کے لئے مانگتے ہو۔

اس کے بعد میں جماعت کو اس عظیم جنگ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو ہندوستان میں جاری ہوئی ہے ملکانہ قوم میں کام کرنے کے لئے اس وقت پچیس کے قریب ہمارے بھائی پہنچ چکے ہیں وہ جن سے مقابلہ ہے۔ ان کے اثر کو زائل کرنا اور ان کے دلوں کو صاف کرنا اور پھر اسلام میں لانا بڑا کام ہے کیونکہ ہماری تعداد ان کی تعداد کے برابر نہیں۔ وہ پچیس کروڑ ہیں ہم چند لاکھ ہیں۔ سو سو

کے مقابلہ میں بھی ایک ایک آدمی نہیں آتا۔ ایسی قلیل جماعت کیسے مقابلہ کر سکتی ہے۔ علاوہ کثرت کے ان کے حق میں ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ ان لوگوں کا گھر ہے۔ ہمارے مبلغ جو جا رہے ہیں وہ کالے کوسوں سے جاتے ہیں۔ مقامی حکام کو جو ہمدردی ہو سکتی ہے وہ بھی انہی لوگوں سے ہو سکتی ہے۔ وہ رعایت کریں گے تو انہی کی کریں گے اور لحاظ کریں گے تو ان کا۔ پس ان حالات میں ایسے لوگوں سے مقابلہ جو ہم سے ہزاروں گنا طاقتور ہیں کوئی معمولی بات نہیں۔

پھر جن لوگوں کے لئے گئے ہیں ان میں پہلے سے ہندوانہ رسوم تھیں۔ گویا وہ آدھے ہندو تھے اور آدھا رستہ پہلے ہی طے کئے ہوئے تھے۔ اب ان کے لئے چند قدم اٹھانے کی بات ہے۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ اسلام سے دور ہوئے ہیں۔ ہندو راجاؤں کے مظالم نے ان کو اسلام سے دور کیا۔ یہ وہ قومیں ہیں جو پہلے حملے کے وقت اسلام میں داخل ہوئیں یعنی جب شروع میں ایک ایک مسلمان یہاں آکر پھیلے ہیں اور انہوں نے تبلیغ کی۔ اور اس کے اثر سے میوات کے علاقہ میں ہندو لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ بعد میں متعصب ہندو راجاؤں نے ان پر ظلم و جبر کرکے ان کو جبراً" ہندو رسوم کا عادی بنایا ہے۔ جیسے پر تھی راج وغیرہ۔ دل پر کسی کا جبر نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ اندر سے مسلمان تھے اور ان پر ہندو راجاؤں کی طرف سے ظلم و جبر ہوا۔ اس کے زیر اثر انہوں نے ظاہری شکل میں کچھ ہندوپن قبول کر لیا تھا۔ پہلے تو محض ظلم و جور کے نتیجہ میں یہ بات تھی۔ پھر عادتاً" ان میں یہ باتیں رائج ہو گئیں۔ ادھر مسلمانوں سے یہ غفلت ہوئی کہ گو وہ دل سے مسلمان تھے۔ اسلام کی باتیں بھی ان میں تھیں مگر جو رسوم ان میں ہندوانہ جبراً" لائی گئی تھیں۔ ان کو دور کرنے اور مٹانے کی کوشش اور فکر نہ کی گئی بلکہ اُلٹا یہ ہوا کہ چونکہ ان میں علم نہ تھا اس لئے ہندوؤں نے یہ بات ان میں مشہور کرنا شروع کی کہ تم لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے۔ اس دھوکے میں ہزاروں ہندو ہو گئے ہیں اور کچھ بننے کے لئے تیار ہیں۔

غرض ہندوؤں کو ہمارے مقابلہ میں چند باتیں حاصل ہیں (۱) وہ زیادہ ہیں ہم کم ہیں (۲) ہم باہر سے جاتے ہیں وہ وہیں کے رہنے والے ہیں (۳) وہاں کے لوگوں سے حکام کو ہمدردی ہے (۴) مال و دولت جو ان کی پشت و پناہ ہے ہمارے پاس نہیں (۵) ملکانہ مسلمانوں کے بعض علاقے ہندو ریاستوں میں ہیں۔ ان ریاستوں نے حکومت و ریاست کے فرائض و حقوق کو بھلا کر ایسا ظاہر کیا ہے گویا وہ پنڈتوں کا علاقہ ہے اور شاہی فرائض کو فراموش کر دیا ہے۔ اورنگ زیب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے جبراً" اسلام پھیلایا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ اقوام تین سو برس قبل اسلام میں داخل ہو چکی ہیں اور تاریخ کا بیان ہے۔ کیا اورنگ زیب کو خدائی حاصل تھی کہ پیدائش سے بھی تین سو برس پہلے اس نے جبراً" ان اقوام کو مسلمان بنا لیا تھا۔ یہ قومیں ۱۲۶۵ء میں مسلمان ہوئی ہیں اور اورنگ

زیب سترھویں صدی میں ہوا ہے۔
ہندوؤں کو اپنی ہندو حکومتوں کی بھی امداد حاصل ہے۔ علاوہ اس کے ہمارے لئے ایک اور مشکل ہے کہ مسلمانوں نے اس کام کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ وہ بجائے جمع کرنے کے اس وقت اس فکر میں ہیں کہ اس کام سے کس کس کو علیحدہ کریں۔ چنانچہ لاہور میں ایک انجمن بنی ہے اس میں ایک صاحب نے رائے دی کہ اس انجمن کے وہ لوگ ممبر نہیں ہوسکتے جو دوسروں کو کافر کہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ اس وقت بھی یہ لوگ اسی فکر میں ہیں کہ کس کس کو نکال دیں۔ حالانکہ یہ وقت تھا کہ یہ سوچا جاتا ہے کہ کس کس طرح جمع کر سکتے ہیں ایسی تجویزوں سے سوائے اس کے کہ شقاق بڑھے اور کام کے راستہ میں رکاوٹ پیدا ہو اور طاقت اور خرچ اس طرف بھی صرف ہو اور کیا ہو سکتا ہے۔ ہمارے مقابلہ میں مکاری اور فریب اور دھوکے سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ حق غالب ہوتا ہے مگر بعض اوقات ایک وقت حق پوشیدہ بھی ہو جایا کرتا ہے۔ غرض ہمارے راستہ میں بہت سی ظاہری مشکلات ہیں۔ لیکن ان سب مشکلات کے مقابلہ میں ہمارے ساتھ ایک اللہ ہے اور اسی کے فضل کو جذب کرکے ہم فتنہ کو دور کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا کا فضل اندرونی اصلاح سے جذب ہوتا ہے۔ جب ایک کام کا فیصلہ ہو جائے۔ اس وقت نیت اور ارادہ کو درست کر لیا جائے۔ اور پھر پختہ عہد قربانی کا کر لیا جائے پھر باوجود اس کے کہ ہمارے پاس سامان نہیں۔ مال و دولت نہیں پھر اللہ کے فضل سے ہم فاتح اور کامیاب ہوں گے۔

یہ مت خیال کرو کہ ہم کیا ہیں۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں تو ایک گھنٹہ میں پاگل ہو جائیں بلکہ ہمیں یہ دیکھنا اور سمجھنا چاہیئے کہ ہم کچھ بھی نہیں۔ ہاں خدا کیا ہے اور وہ کیا کر سکتا ہے۔ ہمارا خدا مالک ہے۔ واسع ہے۔ مقلب القلوب ہے۔ عزیز ہے۔ کوئی ذرہ نہیں جو اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ رب ہے۔ سمیع ہے۔ بصیر ہے۔ حافظ بھی ہے۔ نصیر ہے۔ جب ہم ایسے آقا کے غلام ہیں پھر ہمیں گھبراہٹ ہو سکتی ہے؟ دنیا کی حکومتیں اگر ہمیں مٹانا چاہیں تو ہم نہیں مٹ سکتے کیونکہ ہمیں خدا کی نصرت حاصل ہے۔

کہتے ہیں کہ دلی کے کسی بزرگ سے ایک بادشاہ ناراض ہو گیا مگر وہ سفر پر جا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ آکر سزا دوں گا۔ جب بادشاہ کی واپسی کا وقت ہوا۔ تو مریدوں نے عرض کیا کہ بادشاہ آتا ہے۔ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہنوز دلی دور است۔ آخر چلتے چلتے جب بادشاہ کے شہر میں داخلہ کا دن آگیا تو پھر ان سے عرض کیا گیا۔ اور انہوں نے یہی کہا کہ ہنوز دلی دور است۔ چنانچہ جب بادشاہ شہر میں داخل ہونے لگا تو دیوار اس پر گر پڑی اور اس کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔
وہ ایک درویش تھے۔ ان کے مقابلہ میں ایک بادشاہ تھا مگر درویش کی مدد پر اللہ تھا۔ اسی طرح

رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضور دوپہر کے وقت جنگل میں تھے۔ درخت کے نیچے سو گئے۔ صحابہ بھی اِدھر اُدھر سو گئے۔ ایک دشمن آیا اس نے آپ کو پہچان لیا اور آپ کی تلوار جو درخت سے لٹک رہی تھی۔ اُتار کر نیام سے نکال لی اور کہا کہ اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ تو آپ کے لبوں سے اللہ کا لفظ نکلا۔ گویا کہ وہ ایک بجلی کی رَو تھی جو اس کے جسم کے ریشہ ریشہ میں داخل ہو گئی اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور پھر آپ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا کہ تجھے کون بچا سکتا ہے۔ آپ کا منشاء تھا کہ اس نے اب سبق حاصل کر لیا ہے۔ ایسا ہی کہے گا۔ لیکن اس نے کہا کہ آپ ہی رحم کریں آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ پس اس وقت آپ کو بچانے والی کونسی چیز تھی۔ وہ اللہ تھا جس کے قبضہ میں ہر ذرہ ہے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک مقدمہ تھا۔ ہندو مجسٹریٹ تھا۔ اس پر ہندوؤں کی طرف سے زور ڈالا گیا کہ کچھ نہ کچھ سزا ضرور دینی چاہیئے۔ اس مجسٹریٹ نے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ اتفاق سے ایک غیر احمدی کو معلوم ہو گیا کہ وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں۔ گو وہ مخالف تھا مگر اسلام سے محبت کے باعث اس کی غیرت نے تقاضا کیا کہ وہ اطلاع دے دے۔ اس نے احمدیوں کو اطلاع دی۔ جب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ لیٹے ہوئے تھے۔ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کیا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈالنا آسان ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکا۔ یہ خدا کی طاقت تھی جس نے آپ کے دشمنوں کو آپ پر غلبہ پانے سے روکا۔ اور جس کے ساتھ خدا کی نصرت اور تائید شامل حال ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب انسان ایک کام کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ایک نیت کرتا ہے اور اس نیت کی ایک علامت بھی ہوتی ہے۔ ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے کام کے لئے بھی نیت کرنی ہوتی ہے اور اس کی علامت ہے۔ اگر ایک بچہ ڈوب گیا ہو اور ایک شخص کنوئیں کے کنارے پر کھڑا ہو اور پھر کہے کہ میری نیت تھی کہ میں اس کو بچاؤں مگر کپڑے نہیں اتارے ہوئے تھے۔ اگر اس کے دل میں نیت ہوگی تو وہ فوراً کوئی ذریعہ استعمال کرے گا جس سے وہ بچہ ڈوبنے سے بچ جائے۔ پس اگر ایک شخص کی نیت کسی کام کرنے کی ہو تو وہ اس کام کے کرنے کے سامان بھی کرتا ہے۔

جب تک سامان نہ کرے تو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اس کی نیت ہے کہ نہیں اور جتنا بڑا کام ہو اس کے لئے اتنی بڑی قربانی کرتا ہے۔ اگر ادنیٰ ہو تو ادنیٰ۔ جب بڑے دشمن سے مقابلہ پیش ہو تو چھوٹے دشمنوں کی پروا نہیں کی جاتی۔ اس وقت زید و بکر کی لڑائیاں فراموش ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ وہ بڑے دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار ہے مگر حالت اس کی یہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی ذاتی لڑائیوں کو نہیں چھوڑتا تو کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ وہ بڑے دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار

ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری جماعت میں ایک حصہ ہے جو خطرناک جنگ کو دیکھتے ہوئے بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نہیں چھوڑتا۔ ایک لوگ تو وہ ہیں جو اپنا مال قربان کرتے ہیں۔ اپنے آرام و اطمینان کو چھوڑتے ہیں کہ خدمت دین کریں مگر ان لوگوں کو کیسے خدمت کے لئے تیار سمجھا جائے جو زید و بکر سے جنگ میں مصروف ہیں۔ وہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ ان کو کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ بڑی قربانی کریں گے جبکہ وہ چھوٹی چھوٹی چند روپیہ کی قربانی نہیں کر سکتے۔ کیا وجہ ہے کہ خدا کے دین کی حالت خطرناک ہے اور وہ اپنے ذاتی جھگڑوں کو نہیں چھوڑتے۔ یہ وہ فریق ہے جو جماعت کے ماتھے پر داغ ہے اس کو جس قدر جلد مٹایا جائے اچھا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ حمیت اسلام کے مدعی ہوں۔ وہ کہتے بھی ہیں کہ ہمیں اسلام سے محبت ہے مگر وہ بڑی قربانی کیا کریں گے جب وہ بھائی بھائی ہو کر لڑتے ہیں۔ اگر اسلام کا خطرہ ان سے چند پیسے کے خطرے کو نہیں بھلوا سکتا تو ان کو اسلام کی حالت پر کیا ہے۔

اگر ایک باپ اپنے بیٹے کو ڈوبتا دیکھے تو وہ کروڑوں روپوں کو پھینک دے گا تاکہ اپنے بچے کو بچا سکے۔ لیکن جب ایک باپ کی محبت بچے کے لئے اتنی ہے اور وہ اس کو بچانے کے لئے اتنی قربانی کرتا ہے تو وہ لوگ جو اسلام سے محبت رکھتے ہیں جب دیکھیں کہ اسلام کی یہ حالت ہے کب کسی چیز کا خیال کر سکتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو اسلام سے محبت ہو تو وہ ضرور ان ذاتی جھگڑوں کو بھول جائیں اور ان کے سامنے ایک ہی دشمن رہے۔ جس شخص کی یہ حالت نہیں ہوتی اس کے متعلق معلوم ہو گا کہ اس کا محبت اسلام کا دعویٰ جھوٹا۔ جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ان کو سمجھانے کے لئے ان سے عملی نفرت سے مجبور کیا جائے کہ وہ یا تو ان باتوں کو چھوڑ دیں یا ہم سے جدا ہو جائیں۔ ان کی اصلاح کا یہی ذریعہ ہے کہ باقی بھائی ان کے افعال سے نفرت کا اظہار کریں۔ جب تک وہ لوگ ہم میں سے کہلاتے ہیں ہم ان کو مجبور کریں گے کہ وہ اس روش کو چھوڑیں۔ جب وہ ہمارا کہلانا چھوڑ دیں گے تو ہم ان سے کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ لوگ جماعت کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کو سزا دی جائے یا وہ اس طریق کو چھوڑ کر ہم سے مل کر رہیں یا علیحدہ ہو جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل سے بولنا منع نہیں فرمایا۔ مگر ان لوگوں سے بولنے سے ممانعت کی جو مسلمان کہلاتے تھے۔ جن کا آپ سے تعلق تھا کہ انہوں نے مسلمان کہلاتے ہوئے ایسے افعال کا ارتکاب کیا۔ اسی طرح یہ لوگ جو اپنے جھگڑوں کے باعث جماعت کی بدنامی کا موجب ہو رہے ہیں۔ ان کو ہم سے الگ ہو جانا چاہیئے یا اپنی اصلاح کرنی چاہیئے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے جماعت سے مل کر کام کرنا چاہیئے جو جماعت کو درپیش ہے۔ وہ اپنے اعمال و حرکات سے اس کا ثبوت دیں۔ اپنے

جھگڑوں کو بھول جاؤ۔ تب ثابت ہو گا کہ تم خدا کے دین کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو۔ ہمارا مقابلہ تو محکوم لوگوں یا محکوم ریاستوں سے ہی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ان سے تھا جو آزاد تھے۔ وہ صاحب حکومت تھے مگر انہوں نے رسول کریم صلعم کو کیا نقصان پہنچایا بلکہ جو آپ کو مٹانا چاہتے تھے۔ مٹا دئے گئے اور وہ پتھر جس کو معماروں نے رد کیا وہ عمارت کا آخری پتھر ہوا جو اس پر گرا وہ بھی چور چور ہوا اور جس پر وہ گرا وہ بھی چور چور ہوا۔ پس تم خدا کی مدد پر بھروسہ کرو۔ تم میں سے بعض کے جو آپس میں جھگڑے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ زبردست دشمن کے مقابلہ میں خدا سے نصرت طلب کرو۔ تم اپنا زور لگاؤ۔ باقی مدد خدا سے آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو صاف کرے اور اپنی محبت سے بھر دے اور ہم میں خدا کے لئے محبت اور اخلاص ہو اور اس کی محبت و اخلاص کے آگے سب چیزیں ہیچ ہیں۔

(الفضل ۹ر اپریل ۱۹۲۳ء)